ادب، معاشرہ اور وحدتِ فکر

ڈاکٹر منور ہاشمی

Abstract:

The dream of reconstruction of society can not be fruitful until and unless there starts intellectual unity of society. It is the primary duty of literature. If we review our history, we'll come to this pleasant conclusion that mega change in society through literature rests on matchless contribution of mystics/ Sufias in literature. This is the literature which accommodates no geographical boundaries, territories or countries. This communicates single message of love harmony and patience which panes its way to hearts and eventually it perpetuates in hearts permanently and continues its voyage from hearts to hearts. Our sufi- poets, aparts from their language and geographical attachments entrusted inspiration and intuition through their mystical- poetry. As a result, it gave birth to intellectual unity. Shah Abdul Latif Bhatai, Mian Muhammad Bukhsh, Khawaja Ghulam Farid, Rehman Baba, Jam Virk, Noor-ud-Din Wali and so to say all spiritual protagonists and mystical poets kept on playing their positive role in this regard.

In addition to their mission, Allama Muhammad Iqbal contributed a great deal of share for this intellectual unity and as a result he brought forth a lively change in the minds and hearts of Muslim Society. Contemporary poet and scholar/ author is also busy in contributing holy - share/ service according to his mental faculties.

Society falls victim to any chronic national issue or natural calamity, our literature comes forward to play its due role for national and intellectual unity. A new thinking is emerged as result of this intellectual

unity. It brings forth positive changes in society. In this context, as much efforts have never been rendered as are required by modern scenario. In short, the reconstruction of society and emergence of intellectual unity are the fundamental duties of literature.

آج کے دور میں ادب تو وسیع پیمانے پر تخلیق ہو رہا ہے مگر اس کا ابلاغ خاطر خواہ طریقے سے ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ گویا آج کا بڑا مسئلہ ابلاغِ ادب ہے۔ ذرائع ابلاغ ادب کی رسائی مختلف سطحوں پر کرتے ہیں مگر کیا یہ رسائی ذہنوں اور دلوں تک ہو رہی ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس کی وجوہات کا جائزہ لینا چاہیے۔ اصل میں ابلاغِ ادب کے حوالے سے چار اقسام کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ ادب کو پورے معاشرے کے ذہن و فکر تک پہنچنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ اس کی رسائی محض پڑھے لکھے افراد تک کافی ہے۔ تیسرا نظریہ کہتا ہے کہ ادب کا ابلاغ صرف اہل ادب تک ہونا چاہیے جب کہ چوتھا نظریہ اس سے بھی زیادہ محدود ہے اور اس نظریے کو زیرِ عمل لانے والے ادیب کا خیال یہ ہے کہ ادب اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔ یعنی ایک شاعر یا نثر نگار کی تخلیق خود اس کی ذات کے لیے ہے، اس کے ذہنی و قلبی سکون اور باطنی تسکین کی غرض سے ہے۔ وہ جو کچھ لکھتا ہے اپنے لیے لکھتا ہے۔ کوئی اس سے متاثر ہو یا نہ ہو، کوئی اسے پسند کرے یا نہ کرے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ابلاغِ ادب سے متعلق ان نظریات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ پہلے نظریے سے تعلق رکھنے والا ادب چونکہ وسیع ابلاغ کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لیے لازمی طور پر وہ پورے معاشرے کے لیے تخلیق پاتا ہے اور چونکہ وہ پورے معاشرے کے لیے ہے اسی وجہ سے اسے وسیع ابلاغ کی بھی ضرورت ہے۔ جبکہ چوتھے نظریے کا حامل ادب جو کہ محض تخلیق کار کی ذات تک محدود ہے اس لیے اسے خارجی ابلاغ کی قطعاً ضرورت نہیں اور وہ ادب اپنے مقصد کے اعتبار سے کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے کے حق میں بھی نہیں ہے۔ جو ادب صرف پڑھے لکھے افراد کے لیے یا محض ادیبوں کی توجہ کے لیے تخلیق ہو رہا ہے اسے بھی محدود ابلاغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ محدود ابلاغ چند مجلّات اور کتابوں میں اشاعت پذیر ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ابلاغِ ادب کا کون سا نظریہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے لیے کس قسم کے ادب کی ضرورت ہے اور اس کے مقاصدِ تخلیق کا حصول کیسے ممکن ہے۔ میرے خیال میں اس قسم کے ادب کی تخلیق کا واحد مقصد معاشرے میں فکری وحدت کا فروغ ہے جس کے ذریعے ایک معاشرے کو پاکیزہ، نظریاتی اور مستحکم معاشرہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور معاشرے میں فکری وحدت کا فروغ ایسے ادب سے ممکن ہے۔ جو اپنے اندر بھی فکری وحدت رکھتا ہو۔ جس معاشرے میں ادب اور ادیب مختلف گروہوں میں تقسیم ہو وہاں ایسا ادب تخلیق پائے گا جو معاشرے کے اذہان کو تقسیم کرنے کا باعث بنے گا۔ سوچ کو کوئی ایک زاویہ دینے کے بجائے مختلف زاویوں میں تقسیم کر دے گا۔ ذہنی و فکری توڑ پھوڑ کا ذریعہ بنے گا اور یقیناً ایسا ادب معاشرے کے لیے زہرِ قاتل بن جائے گا۔ تو گویا معاشرے کی تقسیم کو روکنے کے لیے ادب اور ادیب کے اندر فکری وحدت کی ضرورت ہے۔ یہ فکری

وحدت صرف اس صورت میں پیدا ہوسکتی ہے جب ادب کسی ایک نظریے پر استوار ہو۔ جہاں تک ایک ادیب کے ذہن کا تعلق ہے وہ تخریب کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ وہ تعمیر چاہتا ہے اور اس کے لیے مختلف نظریات کی تقلید بھی کرتا ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> ''ادیب کے مزاج میں تو ہمیشہ اس کا ملک، اس کے لوگ اور ان کی محبت کا اتھاہ جذبہ غیرشعوری طور پر موجود رہتا ہے۔ اس کے احساسات اور خیالات کا عمل اور ردِعمل اسی معاشرے کے اندر رہ کر پیدا ہوتا ہے جس پر وہ اپنی تخلیق کی بنیاد رکھتا ہے''۔(۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی غیرشعوری طور پر موجود رہنے والے جس جذبے کی بات کر رہے ہیں اسے شعور کے دائرے میں داخل کر کے ایک مربوط نظام کے تحت معاشرے میں لاگو کرنا ادب یا ادیب کا فریضہ منصبی ہے۔ یہ جذبہ جب پورے معاشرے میں پھیل کر ہر فرد کا مسئلہ بن جائے گا تو فکر میں یک رنگی پیدا ہوجائے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ معاشرہ بنانے سے نہیں بنتا۔ تہذیب اور ثقافت بیرونی عناصر کے اثر انداز ہونے سے وجود پذیر ہوتی ہے جبکہ معاشرہ ان متحرک اجزا سے تشکیل پاتا ہے جو اس کے اپنے اندر مخصوص مقاصد اور مسائل کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ان مقاصد اور مسائل سے تعلق رکھنے والا کوئی جذبہ ہی ان اجزا کو متحرک رکھتا ہے۔ گویا کوئی ایسا جذبہ جو سب کی زندگیوں کے لیے اشتراکِ احساس کا درجہ رکھتا ہو وہ تمام عوامل پر اثر انداز ہوکر غالب آجاتا ہے۔ پروفیسر احمد علی کے الفاظ میں اس نکتے کی وضاحت دیکھیے:

> ''ایک متحرک جذبہ جو اندرونی اور بیرونی قوتوں اور زندگی کے حقائق کا ایک دوسرے پر اس طرح متبادل اثر قائم کرے کہ وقت و زمانہ، احساس کائنات اور حیات ومماتِ انسانیت ایک ہوجائیں اور وہ تعمیری توانائیاں حرکت میں آجائیں جن سے افراد کے شعور میں ایک ہی لگن، ایک ہی تجسس اور ایک ہی فکر سما جائے۔ یہی وہ خمیر ہے جو معاشرے کے افراد کو آٹے کے بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ایک ہی پیڑے میں گوندھ دیتا ہے۔ غیرشخصی نقطۂ نظر سے یہ سب کو ایک ہی سمت میں مائل کر کے ان کو بیرونی مظاہر سے منسلک کردیتا ہے اور شخصی سطح پر ان کے اندرونی اور ذہنی پوشیدہ تجربات واحساسات کا جزو بن جاتا ہے''۔(۲)

اس طرح معاشرے میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو وحدتِ فکر کی بنیاد بنتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس بنیاد کی فراہمی کس حد تک رہی ہے۔ اس حوالے سے یہ ایک اہم سوال ہے۔ برصغیر میں تخلیق ہونے والا ادب اس سلسلے میں کیا کردار ادا کر رہا ہے اور پھر پاکستان کے اندر ادب نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ یہ اسی سوال کے ضمنی نکات ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اردو ادب اکبر اور سرسید کی تحریک سے پہلے اس ضمن میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکا بلکہ سرسید، حالی، شبلی، نذیر احمد اور آزاد نے اصلاحِ معاشرہ کے لیے شعروادب کے استعمال کی بنیاد رکھی۔ یہ وہ موڑ تھا جہاں اردو ادب نے نثر اور نظم دونوں صورتوں میں ایک نئے معاشرے کی تشکیل کے لیے نئی بنیادیں فراہم کیں۔ سرسید کی تحریک کے زیراثر تخلیق پانے والے ادب کے لیے ابلاغ کا ذریعہ سرسید کا رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' تھا۔ بقول

ڈاکٹر سلیم اختر:

''اس پرآشوب عہد میں جب مسلم آبادی کا کثیر حصّہ احساسِ شکست کی بنا پر دروں بینی، انفعالیت اور قومی سطح پر احساس کمتری کا شکار تھا تو معاشرہ گدلے پانی کے جوہڑ ایسی صورت اختیار کر گیا۔ سرسید تحریک اس گدلے پانی کے لیے ایسا پتھر ثابت ہوئی جس سے لہروں کے بننے والے دائرے پھیلتے ہی گئے(۳)

اس دور میں تخلیق ہونے والے ادب نے خاصی حد تک مسلم معاشرے میں فکری وحدت کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ تاہم سرسید تحریک کی مخالفت بھی بہت شدت سے ہوئی جس کی وجہ سے تحریک کے تحت سامنے آنے والے ادب کے اثرات خاطر خواہ حد تک مرتب نہ ہو سکے اور قوم حمایت اور مخالفت دو طبقوں میں تقسیم رہی۔ اس تقسیم سے غیر ملکی آقاؤں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ تاہم اس ادبی تحریک کی وجہ سے اس امر کا ادراک واضح طور پر ہو گیا کہ ادب کے ذریعے بھی کوئی انقلاب آسکتا ہے اور پھر یہ انقلاب علامہ اقبال کی فکری تحریک نے برپا کر کے دکھا دیا۔ اقبال نے اپنے شعر کی طاقت سے معاشرے کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی سوچ میں تبدیلی آئی۔ حیرت انگیز طور پر تمام اذہان ایک ہی رُخ پر سوچنے لگے اور یوں ایک فکری وحدت نے ایک متحدہ قوم کی تشکیل کی۔ یہ ایک نئی قوم تھی جس نے ایک نئے ملک کا حصول ممکن بنایا۔ ڈاکٹر محمد ریاض کے الفاظ میں:

''اقبال کا مخاطب مسلمان معاشرہ غلامی اور پسماندگی کے علاوہ اختراق اور پراگندگی کا شکار تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک مسلمان متحد و متفق نہ ہوں گے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اسی خاطر انہوں نے اتحاد و یگانگت کے درس کو نہایت تنوع اور بصیرت کے ساتھ پیش کیا''(۴)

اقبال اپنے فلسفۂ خودی کی بدولت امام فلسفہ کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ وہ اسی فلسفے کے ذریعے ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو ایک طاقتور اور خودشناس قوم بنانا چاہتے تھے وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے اور خودی کا درس ملت کے لیے فکری وحدت کا موجب بنا۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

''وہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور اپنے کلام میں ایک دبستان فکر رکھتے تھے۔ ایک ایسا فکر جس میں تنوع کی ہمہ گیری کے ساتھ ساتھ تخیل کی بلندی اور نظر کی گہرائی بھی ملتی ہے۔ اقبال نے پرانی روایات اور کہنہ اقدار کے خلاف جنگ بھی کی اور مستقبل کے خواب بھی دیکھے۔ حال مست لوگوں کو جھنجھوڑا اور ماضی کی تابناکی سے کسب نور کی ہدایت بھی کی''۔(۵)

اقبال کی شاعری بلاشبہ صور اسرافیل ثابت ہوئی اور مسلم امہ گراں خوابی سے بیدار ہو کر منزل مقصود کے حصول میں کامیاب ہوئی۔ اقبال نے خودی کے علاوہ بھی بہت سے انقلابی تصورات پیش کیے جن میں تصور شاہین، تصور مرد مومن، تصور حرکت، تصور اجتہاد وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام تصورات کا مقصد ایک بہت بڑی معاشرتی تبدیلی تھا۔ نوجوان نسل کو خصوصی طور پر انہوں نے مخاطب کر کے تبدیلی کے لیے آمادہ کیا:

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر (۶)

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں معاشرے میں فکری وحدت پیدا کرنے کے لیے سرسید تحریک اور اکبر سے پہلے کوئی ادبی کوشش نظر نہیں آتی۔ اس حوالے سے یہ وضاحت بہرحال ضروری ہے کہ فکری وحدت کا وسیع پیمانے پر فروغ صوفیائے کرام کی تحریروں سے بھی ہوا۔ یہ سلسلہ اردو زبان کے آغاز سے تاحال جاری ہے۔ زمانہ قدیم میں صوفیا کی تحریریں عموماً عربی اور فارسی میں ملتی ہیں جن کے اردو تراجم دستیاب ہیں۔ اردو کے علاوہ پاکستان کی دیگر زبانوں کے صوفی شعرا نے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، براہوئی، ہندکو، سرائیکی، کشمیری اور دیگر علاقائی زبانوں میں تخلیق پانے والا ادب بہت سے باہمی اشتراکات کا حامل ہے۔ تمام صوفی شعراء کے کلام کا مرکزی نقطہ محبت ہے۔ یعنی انسانوں کی آپس میں محبت اور ان کی دیگر مخلوقات سے محبت۔ یہی وہ نقطہ ہے جو تمام انسانوں کو یگانگت عطا کرتا ہے۔ اس سے یکرنگی اور یک فکری جنم لیتی ہے۔ آج شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست، بلھے شاہ، میاں محمد بخش، رحمان بابا، خوش حال خان خٹک، سلطان باہو، جام درک، للہ عارفہ، نورالدین ولی، خواجہ غلام فرید اور وارث شاہ اہل اردو کے لیے اجنبی نہیں ہیں کیونکہ ان کے کلام کے اردو تراجم ہر جگہ پہنچ چکے ہیں اور ان سے استفادے کا رجحان بھی عام ہو چکا ہے۔ علاقائی زبانوں میں صوفیا کے کلام کے علاوہ آج جو ادب تخلیق ہو رہا ہے وہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے ادب میں اور ہماری معاشرت میں افکار کی یکسانیت کے ذریعے ترقی کے امکانات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک وقوم کی وحدت کو جب بھی کوئی خطرہ لاحق ہوا تو اردو شاعری کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں کی شاعری میں اتحاد و یکجہتی کے یکساں جذبات کا اظہار کیا گیا۔ یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوا۔ بقول ڈاکٹر طاہرہ نیر:

> ''قومی و وطنی احساس کی یکسانیت کے علاوہ اردو اور علاقائی ادب کے دیگر روابط میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ نئی شعری و ادبی روایات پروان چڑھی ہیں۔ باہم اصناف ادب کا تبادلہ ہوا ہے اور لسانی ارتباط بھی بڑھا ہے۔ اس سلسلے میں علاقائی ادب کے اردو تراجم نے اہم حصّہ لیا ہے۔ ان ترجموں کے ذریعے نہ صرف فکری و ادبی مماثلت کے قیمتی جوہر سامنے آئے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کی تفہیم میں بھی بے حد مدد ملی ہے''۔(۷)

فکری و ادبی مماثلت سے مراد ہی ادب کے ذریعے فکری وحدت ہے جبکہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کی تفہیم بھی فکری وحدت کی طرف ہی رہنمائی کرتی ہے۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس فکری وحدت کے فروغ میں ہمارا ادب اور ادیب اپنے کردار کو مزید مؤثر کیسے بنا سکتا ہے۔ پہلی بات تو اس سلسلے میں یہ ہے کہ اسے اپنی اس ذمہ داری کا کماحقہٗ ادراک ہو۔ اسے معلوم ہو کہ واقعی یہ اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ معاشرے کو نئی قدروں پر استوار کرنا اور معاشرے کے تمام افراد میں وحدتِ فکر پیدا کرنا چونکہ اس کی ذمہ داری ہے تو پھر اسے علامہ محمد اقبال کے دیئے ہوئے راستے پر چلنا ہوگا اور ان صوفیائے عظام کے رنگ کو اپنانا ہوگا جو محبت کا لافانی درس دیتے رہے۔ سب شاعروں، افسانہ

نگاروں، ڈرامہ نویسوں، انشائیہ نگاروں اور کالم نویسوں کی سوچ ایک ہوگی تو معاشرے کے تمام افراد کی سوچ بھی یکساں ہوجائے گی۔اس حوالے سے جسٹس سجاد احمد جان کے ایک صدارتی خطبے سے اقتباس پیش کرنا مناسب ہوگا:

> ''ادیبوں اور مصنفوں کا یہ فرض ہے کہ قوم کی معاشرتی زندگی کا تجزیہ کر کے ان امور پر روشنی ڈالیں جو ہماری قومی ترقی میں حائل ہیں تا کہ ان غلطیوں اور فروگزاشتوں کا ازالہ ممکن ہو اور مصنفین آئندہ نسلوں کے لیے اخوت، حبِ وطن اور قومیت کے جذبات کی تصویر چھوڑ جائیں۔ ادیب کو معاشرے میں جو خصوصی حیثیت حاصل ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے وطن کے استقلال اور استحکام کی جدوجہد میں بھرپور حصّہ لے۔ پاکستان کی ثقافتی متاع کو فروغ دے۔ حبِ وطن کے تقاضے پورے کرنے میں اہل قلم کو کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔(۸)

حوالہ جات:

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، مضمون ادب اور حب الوطنی مشمولہ ہم قلم کراچی، اگست ۱۹۶۰ء، ص ۱۵۔

۲۔ احمد علی، پروفیسر، صدارتی خطبہ مشمولہ **مقالات کل پاکستان اہل قلم کانفرنس**، اکادمی ادبیات پاکستان ۱۹۸۱ء، ص ۴۰۲۔

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، **اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ** (۲۷ ویں اشاعت)، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۵ء، ص ۳۲۹۔

۴۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، مضمون اقبال اور معاشرے کی تعمیرِ نو، **اقبال ریویو** جولائی ۱۹۷۴ء، اقبال اکادمی کراچی، ص ۶۵۔

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، **اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ** (۲۷ ویں اشاعت،) سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۵ء، ص ۴۲۷۔

۶۔ اقبال، علامہ محمد، **کلیاتِ اقبال**، مکتبہ جمال لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۷۔

۷۔ طاہرہ نیر، ڈاکٹر، **اردو شاعری میں پاکستانی قومیت کا اظہار**، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۹۹ء، ص ۴۴۷۔

۸۔ سجاد احمد جان، جسٹس (ر)، خطبہ صدارت اجلاس رائٹرز گلڈ ۱۹۶۲ء، مطبوعہ **ہم قلم** کراچی، فروری ۱۹۶۳ء، ص ۱۰۔